اشاراتِ فریدی

مقابیس المجالس

ملفوظات حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل و مستند مجموعہ

جمع و ترتیب

مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق و ترجمہ

مولانا حاجی کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری

اشاراتِ فریدی

مقابیسُ المجالس

ملفوظات حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل و مستند مجموعہ

جمع و ترتیب

مولانا رُکن الدّین رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق و ترجمہ

مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

عرضِ ناشر

کتاب اشاراتِ فریدی جس کو مقابیس المجالس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے قطبِ وقت حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ کے مبارک ملفوظات کا مجموعہ ہے آپ کا تعلق سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ سے ہے آپ کا وصال ۱۹۰۱ء میں ہوا مزار پُرانوار کوٹ مٹھن شریف ڈیرہ غازیخاں میں ہے آپ کا سلسلہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی اور حضرت مولٰنا فخر الدین دہلوی کے ذریعے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی اور سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی سے جا ملتا ہے۔

ان ملفوظات کو حضرت مولٰنا رکن الدین نے آپکی حیات مبارک کے آخری ۱۰ سال میں پانچ جلدوں میں جمع فرمایا۔ مولٰنا رکن الدین علومِ ظاہری و باطنی کے جامع اور حضرت خواجہ غلام فرید کے مُرید و خلیفہ تھے۔ آپ تحصیل خانپور کے علاقہ سونک کے باشندہ تھے جو فرید آباد کے قریب ہے۔ آپکی ذات پر بار تھی اس لیے آپ بے بار سونکی کہلاتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب کے وصال مبارک کے بعد پہلی تین جلدیں بزبانِ فارسی ۱۹۰۲ء میں آگرہ میں طبع ہوئیں اور چوتھی جلد ۱۹۴۲ء میں لاہور میں طبع ہوئی۔ پانچویں جلد ابھی تک غیر مطبوعہ تھی اس کے چند قلمی نسخے قدردان حضرات کے نجی کتب خانوں کی زینت ہیں۔

اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ حضرت قبلہ کپتان واحد بخش سیال چشتی دامت برکاتہم نے سالہا سال کی انتھک محنت سے تمام پانچ جلدوں کو مختلف مقامات سے حاصل کرکے ان کا ترجمہ فرمایا اور **بزمِ اتحاد المسلمین** کی مساعئ جمیلہ سے زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آج ہدیۂ ناظرین ہے۔

اس کتاب کے حصہ اوّل میں احوال و مقامات خواجہ غلام فرید کے نام سے ایک تعارفی مقالہ بھی شامل کیا گیا ہے جسے کپتان واحد بخش صاحب موصوف نے مرتب فرمایا ہے یہ مقالہ کیا ہے۔ کوزے میں دریا بند ہے اس مقالہ میں حضرت اقدس کے ان بلند مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جو آپ کی ولایت کی خصوصیات ہیں نیز سماع، وحدت الوجود، وحدت الشہود، زیارتِ قبور، عرس، فاتحہ، نذر نیاز جیسے اختلافی مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت عارفانہ انداز میں حل کر دیا ہے۔ یہ امر تو اظہر من الشمس ہے کہ حدیث مبارک "العلماء ورثۃ الانبیاء" کا حقیقی مظہر صوفیائے کرام ہیں جن کے مبارک وجود کی برکت سے شمعِ اسلام روشن ہے اور قیامت تک روشن رہیگی۔ کتاب مقابیس المجالس بھی حضرت خواجہ صاحب کے انوار سے روشن ایک شمع ہے جس کی روشنی میں طالبانِ راہِ حقیقت قرب و معرفتِ الٰہی کے عظیم الشان راستہ کو آسانی سے تلاش کر سکتے ہیں۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ تو اہلِ ذوق و اہلِ حال حضرات ہی کر سکتے ہیں جن کیلیے ایک ایک حرف درخشندہ ستارہ ہے۔ لیکن یہاں پر صرف چند خصوصیات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اِس کتاب میں تمام متقدمین مشائخ چشت، اہل بہشت و دیگر مشائخ عظام کے علاوہ قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ، آپکے مشائخ عظام اور خلفاء در خلفاء کے حالات و منقولات شرح و بسط کیساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت اقدس نے اپنی مجالس میں لوائح جامی کی جو شرح بیان فرمائی ہے اور دیگر کتب تصوف مثل عوارف المعارف، کشف المحجوب، فتوحات مکیہ، فصوص الحکم تحفہ مرسلہ، مراۃ الاسرار، اقتباس الانوار وغیرہ کے جو نکات بیان فرمائے ہیں وہ کتاب ہذا میں محفوظ ہوگئے ہیں۔ قرب و معرفت کے میدان میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے جو حقائق و معارف اور اسرار و رموز بیان فرمائے ہیں ان کیساتھ آپکے اشعار کے بلند باطنی مطالب بھی ضبطِ تحریر میں آگئے ہیں۔

اِس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے خلاف قادیانی سازش کی قلعی کھول دی گئی ہے اور ان کی جعلی خط و کتابت اور الحاقی عبارات کی خود قادیانی کتابوں اور فیصلہ مقدمہ بہاولپور کے ذریعے دھجیاں اڑا دی گئی ہیں۔ قادیانی کہتے ہیں کہ مقابیس کی تیسری جلد کو چھپا دیا گیا ہے یہ الزام بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اگرچہ یہ کتاب اب کمیاب ہے لیکن جہاں جہاں باقی جلدیں ملتی ہیں تیسری جلد بھی موجود ہے چنانچہ ہمارے اِس اردو ترجمہ میں بھی تیسری جلد شامل ہے صرف ان جعلی خطوط اور عبارات کو محذوف کر دیا گیا ہے جو قادیانی سازش کے ذریعے کتاب میں شامل کر دی گئی تھیں کیونکہ یہ کتاب کا حصّہ نہیں ہے کھلی جعلسازی ہے جس کا ثبوت مقدمہ کتاب میں مفصل طور پر بہم پہنچا دیا گیا ہے۔

مقابیس المجالس کے ترجمہ اور تحقیق کے علاوہ حضرت قبلہ کپتان واحد بخش سیال صاحب نے تصوف کی نادر اور نایاب کتب مرآۃ الاسرار، اقتباس الانوار، مکتوبات قدسیہ، ہشت بہشت کے اردو تراجم بھی مکمل کرلیے ہیں جو چھپ چکے ہیں۔ آپنے حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح تاریخی حالات اور کمالات پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مقامِ گنجشکرؒ ہے آپ کی ایک تصنیف "مشاہدۂ حق" بھی ہے جو سلوک الی اللہ اور مسلک اولیائے کرام کا نچوڑ ہے۔ اب آپ یوروپ امریکہ اور افریقہ وغیرہ کے نومسلم حضرات اور غیر مسلم شائقینِ حقیقت کیلئے انگریزی زبان میں تصوف و طریقت کی کتابیں تیار کرنے میں مصروف ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمادیں اور ہم سب کو دولتِ قرب و معرفت اور عبودیت سے نوازیں۔ (ناشر)

شاید مزامیر کی آواز کو طبع مبارک برداشت نہ کرتی تھی۔ لیکن آپ کے خلفاء اکثر مزامیر کے ساتھ سماع سنتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ

مشائخ چشتیہ صابریہ بھی سماع میں بہت زیادہ شغف رکھتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ صابریہ طریقہ کے موجودہ سماع کے رأس و رئیس ہیں۔ آپ بڑی شان کے صاحب علم عمل، ذوق وحلاوت وجد و سماع تھے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی جو نقشبندی تھے اپنے رسالہ سماع میں لکھتے ہیں کہ:-

"حضرت پناہ عالمین شیخ عبدالقدوس گنگوہی باوجود کمال علم ظاہری و باطنی، میں رفعت شان رکھنے کے سماع بامزامیر میں افراط رکھتے تھے۔ آپ کی تصنیف شرح عوارف میں سماع کی اباحت پر طویل بحث آئی ہے"

علمائے دیوبند اور سماع

ہمارے ملک میں بریلوی اور دیوبندی بحث ومباحثہ کی وجہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ علمائے بریلوی تصوف کے حامی اور دیوبندی مخالف ہیں۔ اس لیے ہم یہاں علمائے دیوبند کا جوازِ سماع کے متعلق فتویٰ پیش کرتے ہیں تاکہ بقول عارف رومی ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در زبانِ دیگراں

حجت تمام ہوجائے۔

علمائے دیوبند کے سردار اور پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے فیصلہ ہفت مسائل کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں آپ نے مجالس میلاد، عرس و سماع، فاتحہ، ندائے غیر اللہ، جماعت ثانیہ وغیرہ مسائل کا جواز ثابت کیا ہے۔ سماع کے متعلق آپ کا فیصلہ جو دراصل دیوبند کا فیصلہ ہے یہ ہے:-

" رہا سماع کا مسئلہ یہ بحث از بس طویل ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، سماع محض میں بھی اختلاف ہے جس میں محققین کا یہ قول ہے کہ اگر شرائطِ جواز مجتمع ہوں اور عوارض مانعہ مرتفع ہوں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔

کما فصلہ الامام غزالیؒ۔ اور سماع بآلات (باجوں سمیت) میں بھی اختلاف

ہے۔ بعض لوگوں نے احادیث منع کی تاویلیں کی ہیں اور نظائر فقہیہ[1] پیش کیے ہیں۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ (پانی پتی نقشبندی) نے اپنے رسالہ سماع میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر آدابِ سماع کا ہونا بہ اجماع[2] ضروری ہے۔ جو اس وقت میں اکثر مجالس میں مفقود[3] ہے تاہم ؎

خدا پنج انگشت یکساں نکرد

بہرحال وہ احادیث خبر واحد[4] ہیں اور محتمل تاویل[5]۔ گو تاویل بعید ہے۔ اور غلبۂ حال کا احتمال بھی موجود[6]۔ ایسی حالت میں کسی پہ اعتراض کرنا از بس دشوار ہے۔ مشربِ فقیر کا اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح کو ایصال ثواب کرتا ہوں۔ (ہر سال سے مراد یوم وفات ہے جسے آپ نے عرس کے مضمون میں صاف کر دیا ہے) اول قرآن خوانی ہے۔ اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہوئی تو مولود پڑھا جاتا ہے (اس میں ایک، تو مجلس میلاد کا جواز نکل آیا۔ دوسرے یہ کہ سماع بلا مزامیر بھی، یعنی بغیر سازوں کے نعت اور مولود شریف کا گایا جانا اور سنا جانا) پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے (اس سے عرسوں پر طعام پکوانے اور فاتحہ دینے کا جواز نکل آیا ہے جو آج کل کے دیوبندی حضرات کے لیے آنکھیں کھولنے والی چیز ہے۔ کیونکہ آج کل کے دیوبندی نہ عرس کے قائل ہیں نہ میلاد کے، نہ فاتحہ اور طعام کے، نہ سماع بغیر آلات کے حالانکہ دیوبند کے بانی اور علمائے

---

[1] نظائر فقہیہ یعنی فقہی دلائل۔

[2] بہ اجماع یعنی اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ شرائط کے ساتھ سماع جائز ہے۔

[3] یعنی بعض لوگ ان شرائط کی پرواہ نہیں کرتے۔ پس ثابت ہوا کہ بعض کا گناہ دوسروں پر نہیں آسکتا۔

[4] خبر واحد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا راوی صرف ایک صحابی ہو۔ اس لیے ایسی احادیث کو معتبر نہیں کہا جا سکتا چنانچہ حاجی امداد اللہ کے نزدیک ممانعتِ سماع و آلاتِ سماع کی احادیث خبر واحد اور غیر معتبر ہیں۔

[5] محتمل تاویل۔ جس کی تاویل ہو سکے یعنی یہ ثابت کیا جا سکے کہ ان مانع احادیث کے باوجود بھی سماع جائز ہے۔

[6] یعنی غلبہ حال کی وجہ سے بھی سماع سننے والے معذور قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

دیوبند کے پیر و مرشد کے نزدیک یہ عام امور جائز ہیں) اور زوائد امور کی فقیر کی عادت نہیں۔ نہ کبھی سماع کا اتفاق ہوا ہے نہ خالی نہ آلات کے ساتھ۔ مگر دل سے کبھی اہلِ دل پر اعتراض نہیں کیا۔ ہاں جو محض ریاکار مدعی ہو وہ بُرا ہے مگر بلا کسی حجت شرعی کے کسی کو ریاکار کہنا بھی نا درست ہے۔ اس میں بھی عملدرآمد فریقین کا یہی ہونا چاہیئے۔ جو اوپر مذکور ہوا۔ یعنی جو لوگ نہ کریں ان کو کمال اتباع سنت کا شائق سمجھیں۔ جو کریں ان کو اہلِ محبت میں سے جانیں۔ اور ایک دوسرے پر انکار نہ کریں۔ جو عوام کہ غلو میں ہوں ان کا لطف و نرمی سے انسداد کریں"
(ختم ہوا فتویٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا یہ فتویٰ کس قدر واضح، فراخدلانہ اور مطابق شریعت ہے۔ یہ نہیں لکھتے کہ میں سماع کو ناجائز سمجھتا ہوں۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی عادت نہیں ہے۔ نہ کبھی کسی پر اعتراض کیا ہے۔ کاش کہ آج کل کے دیوبندی حضرات دار العلوم دیوبند کے بانی مبانی اور اکابر دیوبند کے پیر و مرشد کے اس فتویٰ پر عمل کرتے اور خواہ مخواہ سماع اور اہلِ سماع پر اعتراضات کی بارش سے پرہیز فرماتے۔ جن امور سے مجلسِ سماع حرام اور ناجائز بن سکتی ہے تمام اہلِ سماع اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ان غیر شرع امور سے پرہیز کیا جائے۔ اگر کسی جگہ کوئی غلطی بھی سرزد ہو جائے تو کیا ایسی غلطیاں دیوبندی حضرات کے متعلقین اور گھر کے لوگوں سے سرزد نہیں ہوتیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صاحب اور سماع

تمام اکابر دیوبند میں سے مولانا رشید احمد گنگوہی زیادہ سخت متبع شریعت مانے جاتے ہیں۔ آپ کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ہجرت کے بعد ان کے تمام مریدین اور خلفاء کے ہندوستان میں سرپرست اور سربراہ مولانا رشید احمد گنگوہی مانے جاتے ہیں۔ آپ پر اگرچہ شریعت کے معاملہ میں سخت احتیاط کا پہلو غالب تھا لیکن آپ نے بھی سماع کو حرام اور ناجائز قرار نہیں دیا۔ بلکہ واقعہ مندرجہ ذیل میں تو سماع کی تائید پائی جاتی ہے مولانا اشرف علی تھانوی اپنے رسالہ ضمخانہ باطن میں لکھتے ہیں کہ :-

"مجھ کو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ بہت پسند آیا جو میں نے مولوی الیاس صاحب سے سنا۔ ان کا بیان ہے کہ مولانا گنگوہی سے کسی نے سوال کیا کہ کیا حضرت سلطان جی (سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی) عالم تھے، فرمایا "جی ہاں بڑے عالم تھے۔" اس نے پھر سوال کیا کہ کیا حضرت سلطان جی سماع سنتے تھے۔ فرمایا "ہاں سنتے تھے۔" اس نے پھر سوال کیا کہ ان کے پاس جواز کی کوئی دلیل ہوگی۔ فرمایا "ضرور ہوگی" پھر عرض کیا کہ کیا دلیل ہوگی۔ فرمایا "ہمیں معلوم نہیں۔" سبحان اللہ! اس کو ادب کہتے ہیں۔ شریعت کے ادب کو بھی نہیں چھوڑا اور بزرگوں کا ادب بھی لحاظ رکھا۔ یہ ہیں کمالات جن کے سامنے کراماتِ حسیہ کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ جواب صاحبِ کمال ہی دے سکتا ہے۔ ناقص سے ممکن نہیں۔"

مولانا اشرف علی تھانوی کا سماع کے متعلق فتویٰ جواز

کتاب خمخانہ باطن میں صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے کہ جب نواب جمشید علی خان نے دریافت کیا کہ بزرگوں سے جو محفلِ سماع منقول کیا وہ ایسا ہی سماع تھا جو آج کل ہو رہا ہے تو مولانا تھانوی نے فرمایا۔:۔

"ہرگز نہیں۔ سماع کے لیے بزرگوں نے اکیس بائیس شرطیں لکھی ہیں جن کا آج کل نام و نشان بھی نہیں ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ سماع تھے۔ مگر فوائد الفوادؔ[1] ہیں جس میں ان کے ملفوظات ہیں صاف تصریح ہے کہ سماع کے لیے چار شرطیں ہیں۔ سامع[1]۔ مسمع[2]۔ مسموع[3]۔ آلہ سماع[4]۔

---

[1] فوائد الفواد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو امیر حسن علی سنجری جو حضرت شیخ کے مرید تھے اور امیر خسرو کے گہرے دوست تھے نے جمع کیے ہیں۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ نے اشارات فریدی میں فرمایا ہے کہ فوائد الفواد اور سیر الاولیاء صرف دو ایسی کتابیں ہیں جو مشائخ چشتیہ کے حالات پر مستند مانی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں کتابیں حضرت سلطان المشائخ کے وقت میں ان کے اصحاب نے ان کے سامنے لکھی تھیں۔ باقی تذکروں میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔

سامع اہلِ ہویٰ وشہوت نباشد (سننے والا اہلِ نفس و ہوس نہ ہو) بلکہ صاحب دل صاحبِ حال ہو۔ مُسمع زن وکودک نباشد مردِ تمام باشد (سنانے والا عورت یا لڑکا نہ ہو بلکہ پورا مرد ہو) مسموع ہزل وفحش نباشد (کلام بے ہودہ اور فحش نہ ہو، بلکہ بزرگوں کا کلام ہو، حمد ونعت ہو۔ آلۂ سماع کے متعلق تصریح ہے کہ چنگ و رباب درمیان نباشد (مزامیر درمیان میں نہ ہوں، بس ان کا سماع صرف یہ تھا کہ کوئی خوش الحان شخص کوئی غزل یا حمد ونعت سنا دے۔ اور سننے والے سب اہلِ دل ہوں، فاسقوں اور فاجروں کا مجمع نہ ہو۔ گانے والا اپنے ہی مجمع کا ہو۔"

رسالہ مذکور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ا۔

"ایک مرتبہ حضرت سلطان جی کو سماع کا تقاضا ہوا۔ فرمایا کوئی قوال تلاش کرو۔ خدام نے تلاش کیا کوئی نہ ملا۔ فرمایا خواجہ حمید الدین ناگوریؒ کے مکتوبات لاؤ۔ ان کے خطوط کسی خادم کے پاس جمع تھے۔ فرمایا سناؤ۔ چنانچہ ایک خط پڑھا گیا۔ جس کا پہلا جملہ یہ تھا "از خاکپائے درویشاں وگردِ راہِ ایشاں" اس جملہ کا سننا تھا کہ حضرت سلطان جی کو وجد آگیا اور تین روز تک یہ حالت رہی۔ یہ تھا ان حضرات کا سماع۔ مگر فقہاء اس کو بھی حرام کہتے ہیں کیونکہ سماع کی خاصیت ہے کہ وہ کیفیت موجودہ کو قوی کر دیتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر اس سماع کی بھی اجازت دی گئی تو ان میں جو کیفیت اس وقت موجود ہے اس کو قوت ہوگی اور زیادہ تر نفس میں شر ہے اس کو وہ مفاسد کی طرف مقتضی ہوگا کیونکہ عوام میں شہوت اور نفس کی خواہشات غالب آتی ہیں۔ سماع سے ان میں ہیجان ہوگا، قوت بڑھ جائے گی اور اس سے سخت مفاسد پیدا ہوں گے۔۔۔۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ الغناء رقیۃ الزنا یعنی گانا زنا کا منتر ہے۔ فقہاء چونکہ منتظم ہیں تمام عالم کا انتظام ان کے سپرد ہے اس لیے وہ بعض دفعہ ایسی چیز کو بھی منع کرتے ہیں جس میں شرعاً کچھ گنجائش بھی ہو سکتی ہے۔ جس طرح وبا کے زمانہ میں ڈاکٹر کھیرے ککڑی کو مطلقاً

منع کر دیتے ہیں۔ اگرچہ اس کی قلیل مقدار مضر نہیں ہوتی اور جس کا معدہ بالکل صحیح ہو اس کو زیادہ مقدار بھی نقصان نہیں دیتی لیکن اگر ڈاکٹر اس تفصیل سے ممانعت کرے گا تو کوئی بھی اس کے کھانے سے باز نہیں آئے گا تو ہر شخص اپنے کو صحیح المعدہ سمجھنے لگے گا اور کثیر مقدار کو بھی قلیل ہی کہے گا۔ اس لیے انتظام کا تقاضا یہی ہے کہ وبا کے زمانہ میں کسی کو بھی کھیرے لکڑی کھانے کی اجازت نہ دی جائے بلکہ ان کو پھینک دیا جائے۔ یہی حالت فقہاء کی ہے کہ حضرات صوفیہ نے جس سماع کو اختیار کیا ہے اور شرعاً اس میں گنجائش بھی تھی۔ مگر فقہاء نے انتظاماً اس سے بھی منع فرما دیا۔ چنانچہ حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کا سماع شرعاً نا جائز نہ تھا۔ کیونکہ وہ آداب وحدود کی رعایت کے ساتھ ساتھ تھا۔ مگر فقہاء اس کو بھی بدعت کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور عوام کو اجازت دینے میں مفسدہ ہے۔"

رسالہ مذکور میں آگے مولانا تھانوی لکھتے ہیں کہ :۔

"حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں قاضی ضیاء الدین سنامی قاضیٔ وقت تھے۔ وہ ہمیشہ حضرت سلطان جیؒ کے سماع پر نکیر کرتے تھے ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ حضرت سلطان جی کے ہاں مجلسِ سماع گرم ہے وہ دُرّہ لے کر اپنے حشم وخدم کے ساتھ وہاں پہنچے۔ ایک بڑے خیمے کے اندر سماع ہو رہا تھا قاضی صاحب اور ان کے خدم وحشم کو سلطان جی تک پہنچنے کا راستہ نہ ملا۔ خیمہ مجمع سے بھرا ہوا تھا۔ راستہ نہیں مل سکتا تھا۔ صوفیوں کو قاضی اور محتسب کی کیا پرواہ تھی۔ وہاں کون ان کو راستہ دیتا اور کون سلطان جی تک پہنچاتا۔ صوفیہ تو بادشاہ کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ یہاں سب اپنے حال میں مست تھے۔ قاضی صاحب کا جب کوئی زور نہ چلا تو فوج کو حکم دیا کہ خیمے کی طنابیں کاٹ دی جائیں تاکہ خیمہ گر پڑے اور اس کے نیچے دب کر یہ لوگ سماع کو بند کر دیں۔ مگر طنابیں کاٹ دینے کے بعد بھی خیمہ اور چوبیں اسی حالت میں قائم رہیں۔ یہ حضرت

سلطان جی کی کرامت تھی۔ مگر قاضی صاحب بھی اپنی دھن کے ایسے پکّے تھے کہنے لگے کہ میں اس ڈھونگ کا قائل نہیں ہوں۔ بدعتی سے ظاہر میں کرامت بھی صادر ہو تو وہ کرامت نہیں۔ یہ کہہ کر کہ اچھا پھر کسی وقت آؤں گا واپس چلے گئے کچھ زمانہ کے بعد پھر آئے اور برابر نکیر کرتے رہے:

اس کے بعد رسالہ مذکور میں مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ خوب علیشاہ صاحب الہ آبادی جو بڑے بزرگ تھے حضرت خضر علیہ السلام سے ملا کرتے تھے ان سے کسی نے سماع کی بابت دریافت کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے تو آپ نے جواب میں لکھا کہ میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں اس سے تم خود فیصلہ کر لو۔ واقعہ یہ ہے کہ :۔

حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ صاحب سماع تھے۔ اور قاضی ضیاء الدین سنامی منکر سماع ان پر نکیر کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ مجلس سماع کی خبر سن کر آئے اور نکیر کرنے لگے۔ حضرت سلطان جیؒ نے فرمایا کہ اچھا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھوا دیں۔ تب تو پیچھا چھوڑ دو گے۔ قاضی صاحب نے کہا ہاں حضورؐ سے پچھوا دو۔ اس کا ان کو یقین تھا کہ سلطان جیؒ اس درجہ کے بزرگ ہیں کہ حضور کی زیارت کرا دیں گے۔ معتقد بھی تھے اور منکر پر نکیر بھی کرتے تھے سلطان جیؒ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور اس تصرف سے ان پر غنودگی کی حالت اور غیبت سی طاری ہو گئی۔ اس حالت میں ان کو منکشف ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دربار میں رونق افروز ہیں۔ قاضی صاحب کو دیکھ کر فرمایا کہ "فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو" قاضی صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلعم)، مجھے اس وقت اپنی حالت کی حقیقت معلوم نہیں کہ میں ہوش میں ہوں بھی یا نہیں۔ اور حضور کے جو ارشادات ثقہ راویوں کے واسطہ سے عالم بیداری میں ہم تک پہنچے وہ اس ارشاد پر مقدم ہیں۔ ان کو اس ارشاد کی وجہ سے چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اس جواب پر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ اس کے بعد قاضی صاحب کو افاقہ ہوا حضرت سلطان جی نے فرمایا دیکھا ہم نے حضور سے

پچھوا بھی دیا۔ قاضی صاحب نے کہا اور دیکھا ہم نے بھی جواب عرض کر دیا۔ اس کے بعد مجلس سماع گرم ہوئی اور حضرت سلطان جی پر وجد طاری ہو گیا اور کھڑے ہو گئے۔ قاضی صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ اس کے بعد پھر سلطان جی کو وجد آیا اور کھڑے ہو گئے۔ قاضی صاحب نے پھر ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ تیسری بار پھر سلطان جی کو وجد آیا اور کھڑے ہو گئے۔ قاضی صاحب نے پھر ہاتھ پکڑ کر بٹھانا چاہا مگر اب خود ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور دیر تک ادب کے ساتھ کھڑے رہے۔ جب سلطان جی کو افاقہ ہوا اور خود ہی بیٹھ گئے تو یہ بھی بیٹھے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ پھر آؤں گا۔ میں ان باتوں سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔ راستے میں کسی نے دریافت کیا کہ آپ سلطان جی پر نکیر کرنے گئے تھے۔ پھر خود ہی ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کیوں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب ان کو پہلی بار وجد ہوا تو ان کی روح نے آسمانِ دنیا (پہلے آسمان) تک پرواز کیا۔ میں ان کو وہاں سے یہ کہہ کر واپس لایا کہ تم کو زمین پر رہنا چاہئے آسمان پر کہاں جاتے ہو، دوبارہ جب وجد ہوا تو روح نے تحت العرش تک پرواز کیا۔ یہاں تک بھی میری رسائی تھی۔ وہاں سے بھی ان کو واپس لایا۔ تیسری بار جب وجد ہوا، وہ فوق العرش (عرش سے اوپر) پہنچ گئے۔ میں نے وہاں سے بھی ان کو واپس لانا چاہا تو حاملانِ عرش نے مجھے روک دیا کہ آگے تمہارا مقام نہیں یہ نظام الدین ہی کا مقام ہے۔ وہی فوق العرش جا سکتے ہیں [1] اس وقت میں نے حاملانِ عرش کے ادب سے ہاتھ باندھ لیے تھے نہ کہ بدعتی کی تعظیم کے لیے۔ ۔۔۔۔۔

رسالہ مذکور میں مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ :-

"پھر قاضی صاحب کی وفات کا وقت آیا اور سلطان جیؒ کو اس کا علم

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ مجالس سماع پر اولیاء اللہ کی عرش تک اور عرش سے بھی اوپر پرواز کے اکابر دیوبند قائل تھے

ہُوا تو عیادت کے لیے تشریف لے گئے[1] خادم نے قاضی صاحب کو سلطان کی تشریف آوری کی اطلاع دی ۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ ان سے کہہ دو کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کا وقت ہے اس وقت میں بدعتی سے ملنا نہیں چاہتا۔ سلطان جی نے کہلا بھیجا کہ میں ایسا بے ادب نہیں ہوں کہ بدعت میں ملوث ہو کر آپ کے پاس آؤں ۔ میں اس سے توبہ کر کے آیا ہوں ۔ حدیث ۔ والتائب من الذنب کمن لا ذنب لہ ۔ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے کسی نے گناہ کیا ہی نہیں) یہ جواب سن کر قاضی صاحب آبدیدہ ہو گئے اور اپنا عمامہ (دستار) غلام کو دے کر کہا کہ اس کو بچھا دو اور سلطان جی سے عرض کرو کہ اس پر پاؤں رکھتے ہوئے تشریف لائیں ۔ میں ان کے مقام سے واقف ہوں ان میں ایک ہی کسر تھی جب وہ نہیں رہی تو اب وہ اس قابل ہیں کہ میرے عمامہ پر قدم رکھتے ہوئے تشریف لائیں ۔ خدام نے حکم کی تعمیل کی اور عمامہ زمین پر بچھا دیا ۔ حضرت سلطان جی نے عمامہ اٹھا کر سر پہ رکھ لیا اور فرمایا یہ دستار شریعت ہے ۔ اس پر میں قدم رکھوں میری کیا مجال ہے ۔ اس کو تو میں سر پر رکھوں گا ۔ چنانچہ سر پہ رکھے ہوئے تشریف لائے ۔ قاضی صاحب نے بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ بٹھایا اور عرض کیا کہ حضرت اب میرا آخری وقت ہے توجہ فرمائیے کہ خاتمہ ایمان پہ ہو ۔ سلطان جی یہ سن کر دیر تک متوجہ رہے اور رخصت ہو کر دہلیز تک پہنچے تھے کہ قاضی صاحب کا انتقال ہو گیا حضرت سلطان پر گریہ طاری ہوا اور کہنے لگے کہ افسوس آج شریعت کا ستون منہدم ہو گیا ۔ اللہ اللہ ! ساری عمر تو قاضی صاحب آپ پر نکیر کرتے رہے اور آج قاضی صاحب کے وصال پر افسوس کرتے ہیں اور روتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ شریعت کا ستون منہدم ہو گیا

---

[1] سبحان اللہ ! کیا رواداری اور فراخدلی ہے کہ جو شخص ساری عمر مخالفت کرتا رہا حضرت سلطان المشائخ اسکی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے ہیں ۔ یہ کام اولیاء اللہ کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں کر سکتا ۔

یہ تھے اللہ والے، یہ عالم تھا ان کے اخلاص کا۔ ان میں محبت تھی تو اللہ کے لیے۔ وہ لڑتے تھے تو اللہ کے لیے۔ ختم ہوا مولانا تھانوی کا بیان۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ کا مزار سے آواز دینا

رسالہ مذکور میں مولانا اشرفعلی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت قطب صاحب کا ایک واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب نے لکھا ہے کہ وہ قطب صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ وسوسہ ہوا کہ نامعلوم ان کو میرے آنے کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ فوراً ہی قبر سے آواز آئی

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　　　من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

(مجھے اپنی طرح زندہ سمجھو۔ تم جسم کے ساتھ آتے ہو تو میں روح کے ساتھ آتا ہوں)

حضرت خواجہ قطب الدینؒ کا سماع شاہ عبدالرحیمؒ کے ساتھ مکالمہ

مولانا تھانوی کتاب مذکور میں لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک مرتبہ جب شاہ عبدالرحیم صاحب خواجہ قطب صاحب کے مزار پر مراقب تھے تو ان پر حضرت قطب صاحب کی روحانیت کا انکشاف ہوا۔ اس وقت شاہ صاحب نے عرض کیا کہ سماع کے متعلق آپ کی کیا تحقیق ہے۔ فرمایا شعر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ شاہ صاحب نے عرض کیا۔ الشعر کلام موزون حسنہٗ حسن و قبیحہ قبیح۔ الحدیث (شعر کلام موزوں کا نام ہے جس کا حسن حسن ہے اور جس کا قبح قبیح ہے۔) اس کے بعد خواجہ صاحب نے فرمایا حسنِ بت کے متعلق کیا کہتے ہو۔ شاہ صاحب نے عرض کیا۔ یزید فی الخلق ما یشاء (القرآن) بعض علماء نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس زیادت سے مراد حسنِ صوت ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ دونوں جمع ہو جاویں اس وقت تم کیا کہو گے۔ عرض کیا نور علی نور یھدی اللہ لنورہٖ من یشاء (نور پر نور ہے اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا اپنے نور کی طرف جسے چاہے)

فرمایا بس ہمارا سماع یہی تھا۔ اس کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب نے دیکھا۔ کہ آسمان سے ایک تخت نازل ہوا جس پر ایک بزرگ رونق افروز ہیں حضرت قطب صاحب تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ تخت پھر آسمان پر اٹھ گیا۔ تو شاہ صاحب نے حضرت قطب صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ تھے۔ فرمایا خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ تھے۔ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو سماع کے منکر تھے۔ آپ نے ان کے سامنے اپنی تحقیق کیوں نہ بیان فرمائی۔ فرمایا ادب کے خلاف تھا۔ یہ حضرات عالم برزخ میں بھی ایک دوسرے کا ادب کرتے ہیں۔"

اس کے بعد نواب جمشید علی خان نے عرض کیا کہ بعض لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لڑکیوں نے دف بجا کر گایا۔ مولانا تھانوی نے فرمایا:۔

"وہ کوئی باقاعدہ گانا بجانا نہ تھا۔ نہ وہ لڑکیاں گانے والی تھیں۔ یونہی بے قاعدہ گانا بجانا تھا۔ گو حدیث سے شادی وغیرہ کے موقع پر دف جائز ہے۔ اور سماع صوفیہ کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ مگر بعض دفعہ مصلحت انتظام کیلئے امر مباح سے بھی منع کیا جا سکتا ہے۔"

مولانا تھانوی کا سماع سننا اور سنوانا

کتاب خمخانۂ باطن میں مولانا تھانوی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک دفعہ میں نے ایک طالب علم کا علاج سماع سے کیا تھا۔ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں ایک طالب علم پر شورش باطنی کا غلبہ ہوا۔ کسی طرح سکون نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اس کے لیے سماع تجویز کیا۔ میرے ایک ملنے والے صاحب سماعی تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم لوگ تو مولوی ہیں۔ ہم اپنے یہاں سماع کا انتظام نہیں کر سکتے۔ تم اپنے یہاں لے جاؤ اور سماع سنوا لاؤ۔ امید ہے ان کو سکون ہو جاوے۔ وہ بہت خوش ہوئے اور خوشی خوشی ان کو اپنے یہاں لے

گئے۔ ان کی جماعت نے بھی اس کو فخر سمجھا کہ ہم سے مولویوں نے رجوع کیا۔ مگر جب وہاں ڈھولکی اور ستار کا انتظام ہوا تو وہ طالب علم بہت بگڑا اور ان کو دھمکایا کہ تم مجھ کو بدعت کا آلہ کار بنانا چاہتے ہو۔ یاد رکھنا سب ڈھولکی ستار توڑ ڈالوں گا۔ خبردار جو میرے سامنے بدعت کا ارتکاب کیا۔ وہ لوگ بہت گھبرائے اور اس کو واپس کر دیا۔ میں خوش ہوا کہ الحمدللہ ان کی حالت سنت کے مطابق ہے پھر میں نے ایک خوش الحان طالب علم سے کہا کہ ان کو کوئی غزل تنہائی میں سنا دو۔ اس طالب علم کا مقام نشست میرے سامنے ہی تھا اس نے امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی یہ غزل سنائی۔ ؎

از ہجر تو دل کباب تا کے ۔۔۔ جاں در طلبت خراب تا کے
در مصحف روئے او نظر کن ۔۔۔ خسروؔ غزل و کتاب تا کے

میرے کانوں میں بھی آواز آ رہی تھی۔ جب تک غزل سنائی جاتی رہی ان پر حال کا غلبہ رہا۔ بار بار جوش میں کھڑے ہو جاتے اور "تا کے تا کے" پکارتے۔ پھر سکون ہو گیا۔ تو یہ در اصل دوا ہے اور اس کو طبیب ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس مریض کو اس دوا کی ضرورت ہے۔ بغیر شیخ کی اجازت کے اگر کوئی سماع سنے تو غلطی میں مبتلا ہو گا۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور سماع

اس کے بعد لکھا ہے کہ :۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے یہاں بعض ذاکرین پر ایسی حالت طاری ہوتی تھی کہ وہ ذکر میں تالیاں بجانے لگتے تھے اور تالیاں بجانا بھی سماع کے قریب قریب ہے۔ کیونکہ لہو میں داخل ہے مگر حضرت نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادیؒ حضرت کے یہاں بہت کھلے ہوئے تھے اور حضرت ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہوں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت اب تو آپ کے یہاں تالیاں بجنے لگی ہیں حضرت نے ان کو ڈانٹ دیا کہ تم کیا جانو خاموش رہو۔"

اس کے بعد کتاب مذکور میں مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ :۔

"غرض مزامیر کے ساتھ سماع کو قریب قریب سب صوفیہ نے حرام کہا ہے البتہ بعض نے اس کی اجازت بھی دی ہے علامہ شامی نے (مشہور بزرگ حنفی ہیں جو علوم ظاہری اور باطنی سے مزین ہیں) ، ان پر سے اعتراض کو اس طرح رفع کیا ہے کہ فقہاء نے تین وقتوں میں طبل بجانے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ امراء کے یہاں تین مختلف اوقات میں نوبت بجتی ہے اور یہ حکمت بیان کی ہے کہ اس میں نفخات ثلثہ کی تذکیر ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں کہ تذکیر نفخات کے لیے طبل کیلئے اجازت ہے تو جو حضرات صوفیہ اس قسم کے مصالح سے آلات کی اجازت دیتے ہیں ان پر بھی اعتراض نہ کرنا چاہیئے"۔

اُس وجہ سے مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی علامہ شامی کے معتقد نہ تھے۔ مگر حضرت مولانا گنگوہی ان کے معتقد تھے اور علامہ شامی کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ بات یہ ہے کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب میں غالب علمی بزرگی تھی اور مولانا گنگوہی میں علمی اور باطنی دونوں بزرگیاں تھیں۔ جو شخص ایسا ہوگا وہ علامہ شامی کا معتقد ہوگا۔ کیونکہ علامہ شامی صرف علمی بزرگ نہ تھے بلکہ صاحبِ باطن بھی تھے"۔

مولانا تھانویؒ کا ایک اور بار سماع سننا

کتاب مذکور میں آگے چل کر مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں کہ :۔

"ایک مرتبہ مجھے ریل میں مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی (یہ آپ کے پیر بھائی تھے) ، کا قوال فرزند علی مل گیا اس وقت وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ کہنے لگا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ حضور کو کچھ سناؤں۔ چونکہ وہ بوڑھا تھا مزامیر وغیرہ ساتھ نہ تھے صرف سماع ہی سماع تھا اور قوال بھی تھا کس کا۔ مولانا کا۔ میں نے اجازت دے دی۔ اس نے ایک غزل سنائی۔ گو ریل چل رہی تھی اور اس کی گھڑگھڑ کی آواز کانوں کو پریشان کر رہی تھی مگر اس کی آواز غالب تھی اور یہ معلوم نہ ہوتا تھا

کہ ریل چل رہی ہے یا کھڑی ہے۔ ایک غزل کے بعد میں نے آگے اجازت نہ دی "

مولانا محمد حسین الہ آبادیؒ کا صاحب سماع ہونا

حضرت مولانا محمد حسین الہ آبادی
حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

کے مرید و خلیفہ ہیں لیکن سماع خوب سنتے تھے اور مزامیر کے ساتھ سنتے تھے۔ مولانا اشرف علی صاحب نے اپنے رسالہ خمخانۂ باطن میں لکھتے ہیں کہ:۔

" ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے جو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں تھے ان کو گانے بجانے میں کمال حاصل تھا۔۔۔ انہوں نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ نے بجانے میں جو کمال حاصل کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ برکت کے واسطے حضرت کے سامنے پیش کروں۔ اب اگر حضرت بالکل انکار فرماتے ہیں تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے اور اہل سماع صوفیہ پر انکار لازم آتا ہے۔ اور سنتے ہیں تو اپنے طریقہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ آپ نے ان دونوں پہلوؤں کو کس طرح سنبھالا۔ فرمایا بھائی مجھے تو اس فن سے ذرا بھی مناسبت نہیں۔ ایسے شخص کو سنا کر اپنے فن کی کیوں بیقدری کراتے ہو۔ کسی قدردان کو سنایئے جو اس فن سے واقف ہو۔ اور کمال کی داد دے سکے۔ ہاں ہمارے مولوی محمد حسین صاحب الہ آبادی (جو حضرت حاجی صاحب کے مرید و خلیفہ تھے) ہوتے تو وہ آپ کے کمال کی قدر کرتے "

حضرت شاہ محمد حسین الہ آبادی جن کا اوپر ذکر آیا ہے۔ دیوبندی ہونے کے باوجود بڑے ذوق و شوق سے سماع سنتے تھے۔ اور آپ کا وصال بھی سماع ہی میں عرس اجمیر شریف کے موقعہ پر حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کی اس غزل پر ہوا۔

آستیں بر رُخ کشیدہ ہمچو مکار آمدی ۔۔۔ در خودی خود در تماشائے سوئے بازار آمدی
در بہاراں گل شدی در صحن گلزار آمدی ۔۔۔ بعد ازاں بلبل شدہ با نالہ زار آمدی

خویشتن را جلوہ کردی اندریں آئینہ ہا ۔۔۔ آئینہ اسمے نہادی خود باظہار آمدی
شورِ منصور از کجا و دارِ منصور از کجا ۔۔۔ خود زدی بانگِ انا الحق خود سرِ دار آمدی
گفت قدوسے فقیرے در فنا و در بقا ۔۔۔ خود ز خود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

آخری شعر پر آپ نے طویل سجدہ کیا اور جاں بحق ہو گئے۔ اہلِ باطن کا کہنا ہے کہ آخری شعر پر آپ مراقبۂ ذات میں چلے گئے اور فنا فی اللہ میں اس قدر بلند پرواز کی کہ واپس آنے کی طاقت نہ رہی۔

ایک دفعہ مولانا محمد حسین مسجد میں نماز پڑھنے گئے ہوئے تھے۔ آپ سے ملنے کے لیے ایک قوال ستار سمیت مسجد میں چلا گیا۔ لوگوں نے شور مچا دیا کہ آلاتِ غنا مسجد میں لایا ہے۔ مولانا محمد حسین صاحب نے تبسم فرمایا تم لوگ بھی تو آلاتِ زنا سمیت مسجد میں آئے ہوئے ہو۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نقشبندیؒ کا سماع بامزامیر سننا

ایک دفعہ جنوبی ہندوستان کا ایک ستار نواز ماہرِ فن دہلی میں بادشاہ کو اپنا ستار سنانے کی غرض سے آیا۔ اس کی عادت تھی کہ بادشاہ کو ستار سنانے سے پہلے بزرگ کسی درویش کو سناتا تھا۔ دہلی پہنچ کر اس نے دریافت کیا کہ آج کل یہاں کون بزرگ رہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا آج کل حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے سوا کون ہے۔ چنانچہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور معروضہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا بھائی میں تو مولوی ہوں اور میرا سلسلہ بھی نقشبندی ہے۔ مجھے باجوں سے کیا نسبت۔ لیکن جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ مان گئے۔ اور فرمایا اچھا بجاؤ۔ وہ اپنے فن میں ماہر تو تھا ہی اس نے نہایت ذوق و شوق اور مہارت کے ساتھ ستار بجانا شروع کیا۔ ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ تم نے فلاں غلطی کی ہے یہ سن کر اس نے ستار کو زمین پہ مار کر توڑ دیا اور کہنے لگا کہ جس شہر کے مولوی لوگ جنہوں نے ساری عمر گانا بجانا نہیں سنا، جب اس قدر باکمال ہیں کہ میری ذرا سی غلطی پکڑ لی ہے وہاں کا بادشاہ کیسا ہوگا۔ اس نے کہا حضور مجھ سے جو غلطی ہوئی وہ اس قدر معمولی تھی کہ بڑے سے بڑا ماہرِ فن بھی نہیں پکڑ سکتا تھا۔ آپ نے کس طرح پکڑ لی۔ آپ نے فرمایا اس قسم کا اتار چڑھاؤ ہم کائنات کے نغموں میں ہمیشہ سنتے رہتے ہیں لیکن